© rasailojaraid.com

# بُرہان

جلد بست و یکم شمارہ (۳)

مارچ ۱۹۴۸ء مطابق ربیع الثانی ۱۳۶۷ھ

## نظرات

## آہ! لعلِ شب چراغ ہند

گذشتہ چند ماہ میں، وہ کون سی قیامت تھی جو ہمارے سر پر نہیں ٹوٹی اور مصیبت وادبار کی ایسی کون سی قسم تھی جو ہندستانی (۱۵ اگست سے پہلے کے ہندستان) پر نہیں آئی۔ انسانیت کی دھول اُڑی مذہب واخلاق کے قصر رفیع کی اینٹ سے اینٹ بجی، جوہر آدمیت وشرافت کی عبائے زرنگار کا ایک ایک تار بکھر گیا، امن وعافیت کی کتاب کا ورق ورق منتشر ہوا۔ اور آسائش حیات وعزت نفس کی دھجیاں بہیمیت ودرندگی کی فضائے تاریک میں پراگندہ ہو کر رہ گئیں۔ لیکن یہ سب کچھ ہونے پر بھی شاید پیرِ فلک کے ذوق ستم وایذا رسانی کی تسکین اور اس کے حوصلۂ بیداد کی تشفی نہ ہو سکی کہ اس نے ہندستان کی کلاہِ افتخار کا وہ کوہ نور ہیرا اور خستہ حال انسانیت کی قبائے ناموس کا وہ تکمۂ زریں بھی توڑ لیا جو خود غرضی ونفس پرستی کی موجودہ متعفن دنیا میں ہندستان اور انسانیت دونوں کی امیدوں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com



اور تمناؤں کا آخری سہارا اور ان کی عظمت رفتہ کی آرزوے باز یافت کا واحد آسرا تھا

در دلیست چرخ نقب زن اندر سرائے غم — آرے بہزرہ قامت ادخم نیادہ است
آسودگی مجوکہ سگیے رابزیر چرخ — اسباب ایں مراد فراہم نیادہ است
در جامۂ کبود فلک بین دبس بدال — کیں چرخ جز سراچۂ ماتم نیادہ است

وا در یغا کہ وہ عدم تشدد کا دیوتا جس نے سخت سے سخت اشتعال کی حالت میں بھی کبھی اپنے دشمن پر انگلی نہیں اٹھائی، امن وعافیت کا وہ متناد و داعی جس نے شدید سے شدید غیظ وغضب کے موقعہ پر بھی اپنے مخالف کے لیے کوئی دل آزار کلمہ زبان سے نہیں نکالا، وہ انسانیت کا علم بردار حقیقی جو تعصب و تنگ نظری کے جذبات کی فراوانی کے عالم میں بھی ایک کوہ استقامت اور صبر وتحمل کی چٹان بنا اپنے مقام پر کھڑا رہا، مذہب و اخلاق کا وہ پیکر زریں جس نے حیوانیت و درندگی کے بحران عظیم میں بھی اپنے قدم کو ایک لمحہ کے لیے جادۂ مستقیم سے متزلزل نہیں ہونے دیا۔ اور حق وصداقت کا وہ سچا پجاری جو کذب وافترا اور دروغ وباطل کی بلا انگیز موجوں میں بھی صحت فکر وعمل اور راست گفتاری و راست کرداری کی کشتی کو طوفان زدگی سے بچانے کی کوشش کرتا رہا آہ! صد آہ کہ ۳۰ جنوری ۱۹۴۸ء کی شام کو خود اس کے ایک ہم وطن و ہم ملک نے اس کی زندگی کا چراغ گل کر دیا اور اس کے نحیف و زار جسم کو اپنی گولی کا نشانہ بنا کر ہندستان کی پیشانی پر ایک ایسا بدنما داغ لگا دیا جو کبھی مٹائے نہ مٹے گا

---

گاندھی جی نسلاً ہندستانی اور مذہباً ہندو تھے۔ لیکن وہ انسانیت عامہ کا اتنا بلند اور اعلیٰ تصور رکھتے تھے کہ دنیا میں اگر کسی انسان کے پاؤں میں کانٹا بھی چبھتا تو اس کی چبھن اپنے دل میں محسوس کرتے تھے۔ زمین کے کسی گوشہ میں بھی کسی پر ظلم ہوتا تو وہ اس کی تڑپ سے خود بے چین ہو جاتے تھے۔ ان کے اعتقاد میں رنگ و نسل، مذہب و مشرب اور فکر وخیال کا اختلاف محض ایک ثانوی حیثیت رکھتا تھا۔ انسانیت عامہ اور عالمگیر اخوت و برادری کا رشتہ ان کے نزدیک سب سے مقدم تھا۔ وہ ہر انسان کو دوسرے انسان کا بھائی یقین کرتے اور اس کے ساتھ وہی معاملہ کرنے کی تلقین کرتے تھے، عدم تشدد اور سچائی جس کا حاصل یہ ہے کہ خود اپنے ساتھ انصاف کرو اور دوسروں کے ساتھ انصاف کرو۔ ان کے تمام افکار و اعمال کی اساس و بنیاد تھے۔ انہوں نے نصف صدی کے قریب ہندستان کو غلامی کی زنجیروں سے آزاد کرانے کے لیے ان تھک جد وجہد کی اور آخر کار اس میں کامیاب ہو کر رہے۔ لیکن ان کی یہ جد وجہد قومیت کے تنگ نظرانہ تصور پر ہرگز مبنی نہیں تھی اور ان کا مطالبۂ آزادی اس لیے نہیں تھا کہ وہ ہندستانی ہونے کی وجہ سے انگریزوں سے نفرت رکھتے اور ان کو اپنا دشمن

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com



سمجھتے تھے نہیں بلکہ جیسا کہ انہوں نے بار بار کہا ہے اور اسے اپنے عمل سے ثابت بھی کر دکھایا۔ وہ انگریزوں کے بھی ایسے ہی دوست اور خیر خواہ تھے جیسے کہ وہ اپنے یا اپنوں کے تھے اور ان کا مطالبۂ آزادی صرف اس لیے تھا کہ وہ اس کو ہندستان کا طبعی اور قدرتی حق سمجھتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ اتنا بڑا وسیع اور زرخیز ملک اس طرح آزاد ہوگیا کہ قوتِ حاکمہ کے کسی فرد کی ناک سے نکسیر بھی نہیں پھوٹی۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ گاندھی جی کا یہ کارنامہ اس درجہ حیرت انگیز اور عظیم الشان کارنامہ ہے کہ آئندہ نسلیں تاریخ میں اس کو پڑھیں گی اور گاندھی جی کی عظمت و فکر وعمل کا اعتراف کریں گی۔

---

گاندھی جی اگرچہ ایک خاص ملک کی پیداوار تھے اور ایک خاص مذہب سے متعلق سمجھے جاتے تھے۔ لیکن انہوں نے اپنے "سچائی" کے اصول پر شدت کے ساتھ عامل ہونے کی وجہ سے کسی حقیقت کو محض تقلیداً اور دوسروں کی پیروی میں کبھی قبول نہیں کیا وہ دل و دماغ کی پوری وسعتوں کے ساتھ حق وصداقت کی تلاش وجستجو میں ہمیشہ سرگرداں رہے اور جہاں کہیں ان کو کسی گوہر گراں مایہ کا سراغ ملا اس کو کسی کی ملامت وتردید کے خوف کے بغیر فوراً حفاظت واحتیاط کے ساتھ چن لیا۔ اس بنا پر ان کی شخصیت مذہب وفلسفۂ اخلاق کی مختلف صداقتوں اور سچائیوں کا ایک حسین ولطیف مجموعہ بن گئی تھی اور ان کو ہر شخص اپنے سے بہت قریب محسوس کرتا تھا۔ ہندوؤں کو ان میں رام چندر جی کی حق پرستی وصداقت شعاری نظر آتی تھی تو مسلمانوں کو ان میں خواجہ معین الدین اجمیری اور خواجہ قطب الدین بختیار کاکی کے فقر ومسکنت اور درویشی وبے نفسی کا جلوہ دکھائی دیتا تھا۔ عیسائی ان کو مسیحی تعلیمات کا علم بردار سمجھتے تھے تو سکھ ان میں گرونانک کے جرأت اخلاق اور بے باک صداقت کا پرتو دیکھتے تھے غرض یہ کہ وہ اپنے فکر وعمل کے اعتبار سے ایک ایسے گل صد رنگ وسدا بہار تھے کہ جس مذہب کا پیرو بھی ان کو دیکھتا بے ساختہ پکار اٹھتا تھا

اے گل بہ تو خرسندم تو بوئے کسے داری

پھر وہ بدنصیب جن کے مذہب کی اصل اخلاقی اور تمدنی تعلیمات کا تعصب وتنگ نظری کے ہاتھوں خاکہ اڑ چکا ہے وہ تو اس مجموعۂ رنگ وبو اور پیکرِ اخلاق وحسنِ خو کو دیکھ کر دم بخود ہو جاتے اور یہ کہہ کر رہ جاتے تھے کہ

مجھے خندۂ گل پہ آتا ہے رونا ۔۔۔ کہ اس طرح ہنسنے کی خو تھی کسی کی

---

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com



ان کی اس ہمہ گیر محبوبیت اور ہر دل عزیزی کا ہی یہ ثمرہ ہے کہ کتنے ہی آدمی بلا اختلاف مذہب وملت حادثۂ فاجعہ کی خبر سنتے ہی شدتِ الم میں دنیا سے چل بسے اور کتنے ہی تھے جو زندگی سے بیزار ہو کر خودکشی پر آمادہ ہوگئے۔ پھر ماتم بھی اس درجہ عالم گیر ہوا کہ دنیا میں آج تک کسی کا نہیں ہوا۔ ہر طبقہ اور ہر فرقہ کا ہر رنگ اور ہر نسل کا ہر ملک اور ہر قوم کا چھوٹا بڑا، عالم وجاہل، امیر وغریب، مذہب پرست اور لامذہب کوئی ایسا نہیں تھا جس کے دل پر اس حادثہ کو سن کر چوٹ نہ لگی ہو اور اس کی آنکھیں اشک بار نہ ہوگئی ہوں لوگ فرطِ محبت وعقیدت میں ان کو باپو کہتے تھے اور کوئی شک نہیں کہ وہ بنی نوع انسان کے سچے ہمدرد و غم گسار ہونے کی باعث نہ صرف ہندوستان کے بلکہ کل کائناتِ انسانی کے باپو تھے آج وہ دنیا سے اٹھ گئے ہیں تو ایسا محسوس ہوتا ہے کہ انسانیت کے سر پر سے قلبی شفقت و پریم کا ایک مقدس ہاتھ اٹھ گیا۔

اس موقعہ پر ہمیں یاد آیا کہ مشہور صوفی اور بزرگ حضرت مولانا جلال الدین رومی کا جنازہ جب قونیہ میں اٹھا تو جہاں مسلمان چیخیں مار مار کر رونے لگے۔ عیسائی اور یہودی بھی بے ساختہ اشک بار ہوگئے لوگوں نے ان سے پوچھا کہ تم کیوں رو رہے ہو۔ عیسائیوں نے کہا کہ تمہارے نزدیک یہ بزرگ ہستی پیغمبر اسلام (صلی اللہ علیہ وسلم) سے شبیہ تھی تو ہمارے لیے یہ حضرت عیسیٰ تھی۔ یہودی بولے کہ ہم کو اس شخصیت میں حضرت موسیٰ کا سا تقدس اور ان کی سی خو بو نظر آتی تھی۔ واقعی سچ فرمایا "جو خدا کا ہوگیا ساری دنیا اس کی ہوگئی۔

ہندوستان میں اختلاف مذہب کی وجہ سے پچھلے دنوں جو خون خرابہ ہوا اس کی نظیر تو تاریخ میں نہیں ملیگی لیکن اس میں شبہ نہیں کہ اس ملک پر جب مسلمان بادشاہوں کی حکومت تھی یہ مسئلہ اس زمانہ میں بھی چند در چند مشکلات کا باعث بنا ہوا تھا اور اس کے حل کرنے میں جو پیچیدگیاں پیدا ہوئی تھیں اس کی بڑی وجہ یہ تھی کہ مسلمان بادشاہ خالص اسلامی فکر کے بالمقابل اپنی اصل قومی عصبیت کے رجحانات کو زیادہ اہمیت دیتے تھے یا بالفاظ صحیح تر ہنگامی جذبات کی اشتعال پذیری کے عالم میں اصل اسلامی احکام کو نظر انداز کر دیتے تھے۔ جب سلطنت کی طرف سے اس مسئلہ کا کوئی حل پیدا نہیں ہو سکا تو مسلمانوں میں صوفیائے کرام اور ہندوؤں میں ان کے مصلحین و مفکرین کی جماعت نے وقتاً فوقتاً اس گتھی کو سلجھانے کی کوشش کی چنانچہ اس سلسلہ میں سکندر لودھی کے عہد میں بھگتی تحریک کا آغاز ہوا اور کبیر داس اور بابا نانک جیسے لوگ اس کے علم بردار ہوئے۔ پھر بعد میں اکبر نے دین الٰہی کی داغ بیل بھی اسی تحریک کے زیر اثر ڈالی۔ لیکن ان تحریکوں کو اس لیے فروغ نہیں ہو سکا کہ انہوں نے مذہب کی انفرادیت کو برباد کرکے ایک نئی چیز پیدا کر دی جو کسی خاص مصلحت کے پیشِ نظر خواہ کتنی ہی خوبصورت اور جاذبِ نظر معلوم ہوتی ہو لیکن کوئی اپنے مذہب کا سچا پرستار اسے قبول نہیں کر سکتا تھا۔

اس راہ سے ہٹ کر گاندھی جی نے اختلافِ مذہب کی مشکل کا جو حل نکالا وہ بالکل طبعی اور فطری تھا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com



انہوں نے ہندو یا مسلمان، عیسائی یا سکھ کسی سے یہ نہیں کہا کہ وہ اپنا مذہب ترک کر کے کوئی نیا مذہب اختیار کر لے۔ بلکہ ان کا بنیادی فکر یہ تھا کہ تمام مذاہب میں بنیادی صداقتیں اور سچائیاں ایک ہیں جسم اور قالب کے اعتبار سے شکلیں کتنی ہی مختلف ہوں لیکن روح سب کی ایک ہے یعنی یہ کہ وہ خدا پرستی اور نیک زندگی بسر کرنے کی تلقین کرتے ہیں۔

پس جب روح سب مذاہب کی ایک ہے اور انسانیت عامہ کے تصور کے پیش نظر ہر انسان دوسرے انسان کا بھائی ہے تو پھر محض اختلاف مذہب کی بنا پر آپس میں لڑنا جھگڑنا اور ایک دوسرے کو برا بھلا کہنا کیوں کر جائز ہو سکتا ہے۔ گاندھی جی کا سب سے بڑا کمال یہ ہے کہ انہوں نے مذہبی رواداری اور ایک دوسرے کے مذہب کے احترام کا جذبہ پیدا کرنے کے لیے اپنی پرارتھنا میں جس کو وہ ہر روز بڑی پابندی سے مجمع عام میں کرتے تھے، ہر مذہب کی مقدس کتاب کے ٹکڑے شامل کر لیے لیکن اپنی ہمہ گیر عظمت و شہرت کے باوجود نہ تو کوئی نیا مذہب ایجاد کیا اور نہ انہوں نے کسی مذہب کے پیرو کو اپنا مذہب ترک کرنے کی دعوت دی۔ اس کے برخلاف ان کا پیغام یہ تھا کہ ہر شخص کو اپنے مذہب کی پابندی کر کے صحیح معنی میں خدا پرست ہونا چاہیے۔ یہ حقیقت ہے کہ اگر ہر شخص واقعی طور پر خدا پرست ہو جائے تو اختلاف مذہب کی وجہ سے جو بربادیاں آتی ہیں وہ نہ آئیں اور لوگ ایک دوسرے کے ساتھ رواداری محبت اور ہمدردی کے ساتھ زندگی بسر کر سکیں۔

گاندھی جی کی زندگی کا سب سے بڑا مشن عدم تشدد اور سچ کی تعلیم تھا دیکھنے میں یہ دو لفظ ہیں لیکن ان میں اخلاق و موعظت کے دفاتر پوشیدہ ہیں گاندھی جی جس چیز کو عدم تشدد کہتے تھے وہ وہی ہے جس کو قرآن نے آیت ذیل میں بیان کیا ہے۔

اِدْفَعْ بِالَّتِیْ ھِیَ اَحْسَنُ فَاِذَا الَّذِیْ بَیْنَکَ وَ بَیْنَہٗ عَدَاوَۃٌ کَاَنَّہٗ وَلِیٌّ حَمِیْمٌ

ایک ایسے طریقہ پر مدافعت کرو جو بہترین ہو اور جس کا نتیجہ یہ ہو کہ تمہارا شدید دشمن بھی پکا دوست بن جائے۔

ہتھیاروں اور تشدد کے ذریعہ صرف جسم کو فتح کیا جا سکتا ہے۔ مگر دل نہیں بدلے جا سکتے۔ اس کے برخلاف اگر کوئی شخص کسی حق بات پر محض حق کے لیے قائم ہو اور وہ زبردست اخلاقی طاقت کا مظاہرہ کرے تو شدید ترین دشمن بھی رام ہو کر دل سے دوست بن جاتا ہے۔ کوئی شبہ نہیں کہ قرآن کی اور ہر آسمانی مذہب کی یہی تعلیم ہے لیکن گاندھی جی نے اپنے بلند پایہ کردار، عظیم الشان ضبط نفس اور حیرت انگیز قوت عزم و عمل سے جس طرح اس حقیقت کو سچ کر دکھایا وہ مصلحین عالم کی تاریخ میں ہمیشہ روشن حروف میں لکھے جانے کا مستحق ہے۔

۹ ستمبر ۱۹۴۷ء کو وہ دہلی پہونچے تو تمام شہر قتل و غارت گری کے شعلوں میں لپٹا ہوا تھا۔ حکومت اور اس کی پولیس اور فوج اس آگ پر قابو پانے میں ناکام رہی تھی۔ لیکن گاندھی جی کے یہاں پہونچتے ہی ایسا محسوس ہوا کہ گویا آگ پر کسی نے پانی ڈال دیا ہے لیکن اس کے باوجود دلوں میں نفرت و عناد اور جذبۂ قتل و غارت گری کا جو زہر بھرا ہوا تھا وہ نہ نکلا گاندھی جی نے پرارتھنا میں روزانہ تقریریں کیں بیانات شائع کیے پرائیویٹ مجلسوں میں افہام و تفہیم کی کوشش کی لیکن جب دیکھا کہ دل پھر بھی نہیں بدلے تو انہوں نے حق و انصاف

© rasailojaraid.com